ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 3957

Program: BS Islamic Studies (Spec. Seerat Studies)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ (شعبہ سیرت سٹڈیز)

کورس: مطالعہ متنِ حدیث (3957) • سطح: بی ایس علوم اسلامیہ (تخصص سیرت سٹڈیز)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 2 (یونٹ 5-9)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 0

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: اتباعِ سنتِ نبوی اور خلفائے راشدین کی پیروی کا وجوب

سوال نمبر 1: شرعی نصوص کی روشنی میں اتباعِ سنتِ نبوی اور خلفائے راشدین کی پیروی کے وجوب کے احکام تحریر کریں۔ (20)

تعارف

اسلام میں نبی کریم ﷺ کی سنت کو دین کا دوسرا بنیادی ماخذ ہونے کا درجہ حاصل ہے۔ قرآن مجید اصول دیتا ہے اور سنت اس کی تشریح، تفصیل اور عملی صورت فراہم کرتی ہے؛ نماز، زکاۃ اور حج جیسی بنیادی عبادات کی عملی شکلیں سنت ہی سے معلوم ہوتی ہیں۔ اسی طرح خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم وہ شخصیات ہیں جنہیں براہِ راست تربیتِ نبوی حاصل ہوئی اور جن کے دور میں دین کی عملی تطبیق ریاست و معاشرے کی سطح پر ہوئی، اسی لیے ان کی سنت و سیرت کو بھی رہنمائی کا معتبر ذریعہ مانا گیا ہے۔ اس جواب میں پہلے اتباعِ سنت کے وجوب کے دلائل، پھر سنت کے عملی کردار اور آخر میں خلفائے راشدین کی پیروی کی شرعی حیثیت کو نصوص کی روشنی میں بیان کیا جائے گا۔ یہ تمام بحث علمی و تعلیمی ہے اور اس کا مقصد نصوص کی اصل روح کو سمجھنا ہے۔

اتباعِ سنت کے قرآنی دلائل

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و اتباع کا حکم آیا ہے۔ سورۃ النساء میں مفہوم بیان ہوا ہے کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی (4:80 کا حوالہ)۔ سورۃ الحشر میں ہدایت آئی ہے کہ رسول جو کچھ دیں اسے لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ (59:7 کا حوالہ)۔ سورۃ آلِ عمران میں محبتِ الٰہی کا معیار اتباعِ رسول کو قرار دیا گیا ہے (3:31 کا حوالہ) اور سورۃ النساء ہی میں تنازعات کے حل کے لیے اللہ اور رسول کی طرف رجوع کا حکم ہے (4:59 کا حوالہ)۔ ان آیات سے علماء نے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ سنت مستقل حجت ہے، یعنی اس کا حکم قرآن کے حکم کی طرح واجب العمل ہے۔ اس کی وجہ بھی واضح ہے: قرآن نے نماز قائم کرنے کا حکم دیا مگر رکعتوں کی تعداد اور اوقات کی تفصیل سنت سے ملی، زکاۃ کا حکم دیا مگر نصاب و شرح سنت سے معلوم ہوئی۔ لہٰذا سنت کو نظر انداز کر کے قرآن کو بھی مکمل طور پر سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ممکن نہیں رہتا۔

احادیث میں سنت کی حجیت اور اس سے اعراض کی وعید

احادیث میں سنت کی پیروی پر بہت زور دیا گیا ہے۔ ایک مشہور روایت کا مفہوم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک ان کو تھامے رکھو گے گمراہ نہیں ہو گے: اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت؛ یہ روایت مؤطا امام مالک سمیت متعدد کتب میں موجود ہے۔ ایک اور روایت کا مفہوم ہے کہ جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی، اور ایک وعید والی روایت میں اس شخص کی مذمت آئی ہے جو حدیث سن کر تکبر سے کہے کہ ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ اس باب کی سب سے جامع نص حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو سنن ترمذی اور سنن ابی داؤد میں آئی ہے، جس میں آپ ﷺ نے نصیحت کے بعد اس اصول کی بنیاد رکھی جس کا اگلا حصہ خلفائے راشدین سے متعلق ہے۔ ان نصوص کا مجموعی پیغام یہ ہے کہ سنت سے رشتہ محض معلومات کا نہیں بلکہ مزاجِ دین کا حصہ ہے، اور سنت کی روشنی میں زندگی گزارنا ہی اتباع کہلاتا ہے، نہ کہ چند ظاہری امور کی نقالی۔

خلفائے راشدین کی پیروی کا حکم

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے: تم پر میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا ہے، اسے دانتوں سے مضبوطی سے تھامے رکھنا، اور دین میں نئی نئی باتیں گھڑنے سے بچنا۔ یہ روایت خلفائے راشدین یعنی حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی پیروی کی شرعی بنیاد ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ یہ حضرات وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین کو براہِ راست صاحبِ وحی سے سیکھا، آپ ﷺ کی صحبت میں زندگی گزاری اور آپ کے بعد امت کی قیادت کرتے ہوئے قرآن و سنت کو اجتماعی مسائل پر نافذ کیا۔ ان کے فیصلے درحقیقت سنت کی فہم کا عملی نمونہ ہیں۔ جمع و تدوینِ قرآن کا حضرت ابو بکر اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے دور میں انتظام، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں دیوان، عدالتی نظام اور تقویم کا قیام، یہ سب اسی پیروی کی عملی مثالیں ہیں جن کو امت نے قبول کیا۔

پیروی کا دائرہ اور اصول

یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ خلفائے راشدین کی پیروی کا مطلب کیا ہے۔ اول، ان کی وہ آراء و فیصلے جو قرآن و سنت کی تشریح اور تطبیق سے متعلق ہیں، امت کے لیے معتبر رہنمائی ہیں، خصوصاً جب ان پر صحابہ کا اجماع یا سکوت موجود ہو۔ دوم، اگر کسی مسئلے میں خلفاء کے درمیان اختلاف منقول ہو تو وہاں مجتہدین نصوص کی طرف رجوع کرتے ہیں، کیونکہ اصل حجت کتاب و سنت ہے اور خلفاء کی رائے اسی کی فہم ہے۔ سوم، خلفاء کی پیروی میں ان کی سیرت و کردار بھی شامل ہے: عدل، امانت، سادگی، مشاورت اور رعایا کی خدمت ان کی قیادت کی پہچان تھی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا اولین خطبہ، جس میں انہوں نے خود کو جواب دہ قرار دیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رعایا کے احوال کی نگرانی کا نظام اس کردار کی جھلک ہے۔ فقہاء نے اسی بنیاد پر خلفائے راشدین کے فیصلوں کو فقہی استدلال میں اہم مقام دیا ہے، اور آج بھی خلافتِ راشدہ کا دور حکمرانی کے اصولوں کے مطالعے میں نمونے کی حیثیت رکھتا ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ اتباعِ سنتِ نبوی کا وجوب قرآن کی واضح آیات اور بے شمار احادیث سے ثابت ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت قرار پائی اور سنت کے بغیر قرآن کے احکام کی عملی صورت نامکمل رہتی ہے۔ خلفائے راشدین کی پیروی کا حکم حدیثِ عرباض بن ساریہ سے ثابت ہے اور اس کی وجہ ان کی صحبتِ نبوی، فہمِ دین اور عدل پر مبنی قیادت ہے۔ ان کی پیروی کا دائرہ نصوص کی فہم و تطبیق اور ان کی سیرت و کردار کو نمونہ بنانا ہے، تاکہ امت ہر دور میں اصل مآخذ سے جڑی رہے۔ طالب علم کو چاہیے کہ وہ سنت اور سیرتِ خلفاء کا مطالعہ مستند کتب سے کرے اور اختلافِ رائے کے مسائل میں اہلِ علم کی رہنمائی اختیار کرے۔

سوال نمبر 2: شرعی حدود — سرقہ، قذف، زنا اور شربِ خمر

سوال نمبر 2: دینی نصوص کی روشنی میں شرعی حدود (سرقہ، قذف، زنا اور شربِ خمر) کے نفاذ اور ان کی سزا کے احکام بیان کریں۔ (20)

تعارف

حدود اسلامی قانونِ فوجداری کا وہ باب ہے جس میں چند مخصوص جرائم کی سزائیں قرآن وسنت نے خود مقرر کر دی ہیں اور ان میں کمی بیشی کا اختیار کسی فرد یا ادارے کو نہیں دیا گیا۔ حد کے لغوی معنی روک اور رکاوٹ کے ہیں اور اسی لیے ان سزاؤں کا مقصد مجرم کو اور معاشرے کو جرم سے روکنا ہے۔ اس جواب میں سرقہ، قذف، زنا اور شربِ خمر کی حدود کو نصوص کی روشنی میں بیان کیا جائے گا۔ ابتدا ہی میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ حدود کا نفاذ صرف ریاست اور مجاز عدالت کا کام ہے، مکمل شرعی طریقہ کار، ثبوت کی سخت شرائط اور شبے کی صورت میں حد ساقط کرنے کے اصول کے ساتھ۔ کسی فرد، گروہ یا ہجوم کو خود سزا دینے کا کوئی اختیار شریعت نے نہیں دیا؛ پاکستان میں بھی یہ امور قانون اور عدالتوں کے ذریعے ہوتے ہیں اور اس گائیڈ میں بیان خالصتاً نصوص کا تعلیمی مطالعہ ہے، کسی عمل کی ترغیب نہیں۔

حدود کے عمومی اصول: ثبوت، شبہ اور اختیار

حدود کے نفاذ سے پہلے تین اصول سمجھنا لازم ہے۔ پہلا اصول ثبوت کی سختی ہے: ہر حد کے لیے نصوص نے ثبوت کا اعلیٰ معیار رکھا ہے، مثلاً زنا کے لیے چار عادل گواہوں کا ضابطہ اور سرقے کے لیے مال کا محفوظ جگہ سے نصاب کی مقدار تک چرایا جانا۔ دوسرا اصول شبے سے حد کا ساقط ہونا ہے؛ احادیث کے مفہوم کے مطابق حدود کو شبہات کی وجہ سے روک دیا جاتا ہے، یعنی جہاں شبہ پیدا ہو جائے وہاں حد نافذ نہیں ہوتی، اور حکمران کا پھسل کر معاف کر دینا اس سے بہتر قرار دیا گیا ہے کہ وہ حد لگانے میں خطا کرے۔ تیسرا اصول اختیار ہے: حد کا دعویٰ، سماعت اور نفاذ ریاستی عدالت کا کام ہے، اور توبہ و اصلاح کو اسلام نے ہمیشہ کھلا رکھا ہے؛ سورۃ المائدہ میں چوری کے بعد توبہ و اصلاح کرنے والے کے لیے اللہ کی مغفرت کا ذکر بھی آیا ہے۔ انہی اصولوں کی وجہ سے اسلامی تاریخ میں حدود کا نفاذ ہمیشہ عدالتی کارروائی اور یقینی ثبوت سے مشروط رہا اور ان کی اصل غرض عبرت و تحفظ رہی، تشہیرِ سزا نہیں۔

حدِ سرقہ (چوری)

سرقہ سے مراد کسی کا مال چھپ کر، محفوظ جگہ (حرز) سے، نصاب کی مقدار تک ناجائز طریقے سے لے لینا ہے۔ اس کی حد سورۃ المائدہ کی آیت 38 میں بیان ہوئی ہے جس کے مطابق چوری کرنے والے مرد و عورت کی سزا مقرر کی گئی ہے۔ فقہاء نے اس حد کی کئی شرائط بیان کی ہیں: چرانے والا عاقل بالغ ہو، مال کسی دوسرے کی ملکیت ہو، محفوظ جگہ سے لیا گیا ہو، اس کی قیمت مقررہ نصاب تک پہنچتی ہو — نصاب کی مقدار میں فقہاء کے ہاں سونے و چاندی کے اعتبار سے تفصیل موجود ہے — اور اس میں شبے کی ملکیت یا بھوک و اضطرار جیسی صورتیں نہ ہوں۔ مالِ غنیمت میں خیانت، قبر کھود کر کفن چرانا یا ایسی چیزیں جو محفوظ جگہ میں نہ رکھی جاتی ہوں، ان میں حد کے بجائے تعزیر ہوتی ہے۔ یہیں سے یہ اصول بھی نکلتا ہے کہ ضرورت اور بھوک کے زمانے میں اس حد کے نفاذ میں علماء نے بڑی احتیاط برتی، کیونکہ حد کا مقصد انصاف ہے، کمزور کو کچلنا نہیں۔

حدِ قذف اور حدِ زنا

قذف سے مراد کسی پاک دامن مرد یا عورت پر زنا کا الزام لگانا اور اسے چار گواہوں سے ثابت نہ کر سکنا ہے۔ اس کی حد سورۃ النور کی آیت 4 میں اسی (80) کوڑے مقرر ہے اور ساتھ یہ حکم ہے کہ ایسے شخص کی گواہی آئندہ کبھی قبول نہ کی جائے، البتہ توبہ و اصلاح کی صورت کا استثنا بھی اسی آیت کے آگلے حصے میں آیا ہے۔ حدِ قذف کی حکمت عزتوں کا تحفظ ہے تاکہ معاشرے میں الزام تراشی کا بازار گرم نہ ہو۔ حدِ زنا سے متعلق سورۃ النور کی آیت 2 میں غیر شادی شدہ زانی و زانیہ کے لیے سو کوڑے بیان ہوئے ہیں، جب کہ شادی شدہ (محصن) کی سزا رجم احادیثِ متواترہ اور نبی کریم ﷺ و خلفاء کے عمل سے ثابت مانی جاتی ہے اور اس مسئلے کی تفصیل کتبِ فقہ میں موجود ہے۔ یہاں بھی ثبوت کا معیار انتہائی سخت ہے: چار گواہوں کا فعل کو براہِ راست دیکھنا یا پھر آزادانہ اقرار، اور اقرار سے رجوع کی صورت میں حد ساقط ہو جاتی ہے۔ یہ سختی بذاتِ خود بتلاتی ہے کہ شریعت کا مقصد سزا کی کثرت نہیں بلکہ معاشرے کی اخلاقی فضا کو الزام و اشاعتِ فحش سے پاک رکھنا ہے۔

حدِ شربِ خمر

شراب کی حرمت قرآن میں قطعی ہے؛ سورۃ المائدہ میں اسے شیطانی عمل کہہ کر اس سے بچنے کا حکم آیا ہے (5:90 کا حوالہ)۔ نشہ آور چیز پینے کی سزا کی مقدار حدیث سے ثابت ہے: نبی کریم ﷺ کے دور میں شراب پینے والے کو تقریباً چالیس ضربیں لگائی جاتی تھیں، جیسا کہ صحیح مسلم سمیت کتبِ حدیث میں مذکور ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں صحابہ کے مشورے سے اسی (80) کوڑے مقرر کیے گئے، اس مشابہت کی بنا پر کہ نشے میں آدمی بہتان باندھتا ہے؛ اسی لیے فقہاء کی اکثریت اسی کوڑوں کو حد قرار دیتی ہے جب کہ بعض نے چالیس کو اصل حد اور زائد کو تعزیر کہا ہے۔ فقہاء نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ ہر نشہ آور چیز اسی حکم میں آتی ہے، خواہ اس کا نام کچھ بھی ہو، کیونکہ حدیث کا مفہوم ہے کہ ہر نشہ دینے والی چیز خمر کے حکم میں ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ حد کے ثبوت کے لیے بھی اقرار یا دو عادل گواہوں جیسی شرائط ہیں اور محض بو یا شبے پر حد نہیں لگتی۔

جدول 1: حدود کا خلاصہ

حد	جرم	مقررہ سزا (نص کے مطابق)	ثبوت کی خاص شرط
سرقہ	نصاب کا مال محفوظ جگہ سے چرانا	ہاتھ کاٹنا	نصاب، حرز، شبہ کا نہ ہونا
قذف	پاک دامن پر زنا کا بے ثبوت الزام	80 کوڑے، گواہی مردود	چار گواہ پیش نہ کر سکنا
زنا	ناجائز جنسی تعلق	غیر محصن: 100 کوڑے؛ محصن: رجم (سنت سے)	چار گواہ یا اقرار
شربِ خمر	نشہ آور چیز پینا	اکثر فقہاء کے نزدیک 80 کوڑے	اقرار یا دو گواہ

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ حدود چند مخصوص جرائم کی وہ سزائیں ہیں جو نصوص نے مقرر کی ہیں: سرقے میں ہاتھ کاٹنا، قذف میں اسی کوڑے، غیر شادی شدہ کے زنا میں سو کوڑے اور شادی شدہ کے لیے سنت سے ثابت رجم، اور شربِ خمر میں فقہا کی اکثریت کے نزدیک اسی کوڑے۔ ان کے ساتھ ثبوت کی انتہائی سختی، شبے سے حد کا سقوط اور نفاذ کا اختیار صرف عدالت و ریاست کو ہونا، یہ تینوں اصول ان کا اٹوٹ انگ ہیں۔ طالب علم کو ان مباحث کو اسی توازن کے ساتھ بیان کرنا چاہیے اور یہ واضح رکھنا چاہیے کہ کسی معاصر واقعے پر ان احکام کا اطلاق اور نفاذ عدالتوں اور اہلِ علم کا دائرہ ہے، عام فرد کا نہیں۔

سوال نمبر 3: تجارت کے شرعی احکام، ناجائز بیوع اور سود کی حرمت

سوال نمبر 3: احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں تجارت کے شرعی احکام، ناجائز بیوع اور سود کی حرمت کے احکام واضح کریں۔ (20)

تعارف

تجارت اسلام میں حلال روزی کمانے کے معزز ذرائع میں سے ہے۔ نبی کریم ﷺ نے خود تجارت کی، آپ کے اکثر صحابہ تاجر تھے اور احادیث میں سچے و امانت دار تاجر کی بڑی فضیلت آئی ہے، یہاں تک کہ اسے انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہونے کی بشارت کے مفہوم والی روایت سنن ترمذی میں مذکور ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ شریعت نے تجارت کو چند پابندیوں سے بھی جوڑا ہے تاکہ بازار دھوکے، استحصال اور سود سے پاک رہے۔ اس جواب میں پہلے بیع کے بنیادی احکام، پھر احادیث میں مذکور ناجائز بیوع اور آخر میں سود کی حرمت و اقسام کو بیان کیا جائے گا۔ یہ بحث بھی خالص تعلیمی ہے؛ موجودہ مالیاتی معاملات پر فتویٰ دینا مفتیان کا کام ہے، یہاں صرف اصول بیان ہوں گے۔

تجارت کے بنیادی شرعی اصول

بیع کی صحت کے لیے فقہاء نے چند بنیادی شرائط رکھی ہیں۔ پہلی یہ کہ معاملہ باہمی رضامندی سے ہو؛ سورۃ النساء میں یہ اصول دیا گیا ہے کہ ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ، البتہ باہمی رضامندی کی تجارت مستثنیٰ ہے (4:29 کا حوالہ)۔ دوسری یہ کہ مبیع یعنی بیچی جانے والی چیز معلوم، موجود یا قابلِ تسلیمی اور شرعاً قابلِ فروخت ہو؛ جو چیز بیچنے والے کی ملکیت و قبضے میں نہ ہو اس کی بیع سے حدیث میں منع آیا ہے۔ تیسری یہ کہ قیمت اور چیز دونوں میں ایسی جہالت نہ ہو جو جھگڑے کا باعث بنے۔ چوتھی یہ کہ معاملہ مجلس میں طے پائے اور خیارِ مجلس یعنی مجلس برخاست ہونے تک اختیار کا اصول حدیث سے ثابت ہے۔ پانچویں بنیادی صفت امانت و سچائی ہے: حدیث کا مفہوم ہے کہ جب تک بائع و مشتری سچ بولیں اور عیب واضح کریں ان کی بیع میں برکت رہتی ہے، اور جھوٹ و چھپاؤ سے برکت اٹھ جاتی ہے۔ ناپ تول میں کمی کو قرآن نے سخت وعید کا مستحق قرار دیا ہے اور خریدار کو خوش اخلاقی و نرمی کی تجارت کرنے والوں کے لیے آسانی کی دعائیں احادیث میں آئی ہیں۔

نابائزبیوع: دھوکے اور غرر والی صورتیں

احادیث میں کئی قسم کی بیوع کو ان میں موجود دھوکے، جہالت یا ظلم کی وجہ سے منع کیا گیا ہے۔ ان میں سب سے جامع ممانعت بیعِ غرر کی ہے؛ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق نبی کریم ﷺ نے غرر والی بیع سے منع فرمایا۔ غرر سے مراد ایسا معاملہ ہے جس میں چیز کا وجود، مقدار یا حصول غیر یقینی ہو، جیسے پانی میں موجود مچھلی یا ہوا میں اڑتے پرندے کی بیع۔ اسی قبیل سے بیعِ حبل الحبلہ یعنی پیدا ہونے والے جانور کے بچے کے بچے کی بیع ہے جس کی ممانعت صحیح بخاری و مسلم میں آئی ہے۔ بیعِ ملامسہ اور منابذہ جاہلیت کی وہ صورتیں تھیں جن میں محض چھونے یا پھینک دینے سے بیع لازم ہو جاتی تھی؛ ان سے بھی منع کیا گیا۔ بیعِ نجش یہ ہے کہ خریدنے کی نیت کے بغیر محض قیمت بڑھانے اور اصل خریدار کو دھوکا دینے کے لیے بولی بڑھائی جائے، اس سے بھی حدیث میں روکا گیا ہے۔ شہری کا دیہاتی کے لیے بیچنا (حاضر لبادی) اور قافلے کو شہر سے باہر جا کر تاجروں سے کم قیمت پر مال خرید لینا (تلقی الرکبان) بھی اس لیے منع ہے کہ ان میں کمزور فریق کی لاعلمی سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ ان تمام ممانعتوں کی مشترکہ علت ایک ہی ہے: بازار میں شفافیت کی حفاظت اور کسی فریق کو دھوکے سے بچانا۔

جدول 2: ناجائز بیوع کی مشہور صورتیں

ممانعت کی علت	صورت	بیع
جہالت و ممکنہ جھگڑا	غیر یقینی چیز کی خرید و فروخت	بیعِ غرر
خریدار کو دھوکا	جھوٹی بولی سے قیمت چڑھانا	بیعِ نجش
کمزور فریق کا استحصال	شہری کا دیہاتی کو لاعلمی میں سستا بیچنا	حاضر لبادی
قیمت کی شفافیت کا خاتمہ	قافلے کو بازار سے پہلے روک کر خریداری	تلقی الرکبان
سود کا حیلہ	ادھار بیچ کر کے نقد واپس خرید لینا	بیعِ عینہ
باہمی تنازع و عداوت	بھائی کی طے شدہ بیع پر بیع کرنا	بیع بر بیعِ اخیہ

USMAN NOTES www.usmannotes.com

سود کی تعریف اور اقسام

سود یعنی ربا کے لغوی معنی زیادتی کے ہیں اور اصطلاح میں یہ قرض یا تبادلے میں وہ مشروط اضافہ ہے جو اصل مال کے بدلے بغیر کسی حقیقی معاوضے کے لیا جائے۔ فقہاء نے اس کی دو بڑی قسمیں بیان کی ہیں۔ ربا الفضل یہ ہے کہ ایک ہی جنس کی دو چیزوں کا تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ دست بدست کیا جائے، مثلاً سونے کے بدلے زیادہ سونا؛ اور ربا النسیئۃ یہ ہے کہ تبادلے یا قرض میں ادھار کی وجہ سے اضافہ شرط کیا جائے، جس کی عام مثال قرض پر سود ہے۔ ان دونوں کی بنیاد وہ مشہور حدیث ہے جو صحیح مسلم میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں چھ چیزوں یعنی سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور اور نمک کا تبادلہ برابر اور دست بدست کرنے کا حکم دیا گیا اور کمی بیشی یا ادھار کو ربا قرار دیا گیا۔ فقہاء نے علت کی بنیاد پر انہی اصولوں کو دیگر اموال پر بھی قیاس کیا ہے، جس کی تفصیل فقہی کتب میں موجود ہے۔ اسی طرح بیعِ عینہ اور اس جیسی حیلہ سازیوں کو بھی علماء نے سود ہی کے دائرے میں رکھا ہے کیونکہ ان کا نتیجہ قرض پر مشروط نفع ہی ہوتا ہے۔

سود کی حرمت اور اس کی حکمتیں

سود کی حرمت قرآن میں قطعی اور سخت الفاظ میں آئی ہے۔ سورۃ البقرہ میں یہ اعلان ہے کہ اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے (2:275 کا حوالہ) اور اگلی آیات میں سود چھوڑنے کا حکم اور اس پر اصرار کو اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کی تشبیہ سے تعبیر کیا گیا ہے (2:278-279 کا حوالہ)۔ احادیث میں سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے لکھنے والے اور اس پر گواہ بننے والوں سب کو اس وعید میں شامل کیا گیا ہے اور ایک روایت میں سود کو ہلاک کرنے والے بڑے گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔ سود کی ممانعت کی حکمتیں علماء نے یہ بیان کی ہیں: یہ محنت کے بغیر سرمایے کا نفع یقینی بناتا ہے جب کہ تجارت میں نفع و نقصان دونوں کا امکان ہوتا ہے؛ یہ دولت کو چند ہاتھوں میں سمٹاتا ہے؛ محتاج کو ضرورت کے وقت مزید بوجھ تلے دباتا ہے؛ اور معاشرے میں خود غرضی کو بڑھا کر خدمت و قرضِ حسنہ کی روایت کو ختم کرتا ہے۔ اسی لیے اسلام نے سود کے متبادل کے طور پر تجارت، شرکت و مضاربہ جیسی مشارکتی صورتوں اور قرضِ حسن کی ترغیب کو فروغ دیا۔ موجودہ دور کے بینکاری و مالیاتی معاملات پر ان اصولوں کا اطلاق اہلِ علم کا تخصصی کام ہے، طالب علم اصول بیان کرنے تک محدود رہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی تجارت کی بنیاد باہمی رضامندی، سچائی، امانت، معلوم چیز و قیمت اور دھوکے سے پاک معاملے پر ہے۔ غرر، نجش اور تلقی الرکبان جیسی بیوع اسی لیے منع ہیں کہ وہ شفافیت کو ختم کرتی ہیں۔ سود، خواہ ربا الفضل ہو یا ربا النسیئۃ، قرآن و حدیث کی قطعی نصوص سے حرام ہے اور چھ اشیاء والی حدیث اس کا اصولی ضابطہ فراہم کرتی ہے۔ یہ احکام بتاتے ہیں کہ اسلام نے معیشت کو آزاد ضرور رکھا ہے مگر اسے اخلاق سے آزاد نہیں کیا؛ بازار کو نفع کے ساتھ ساتھ عدل اور دیانت کا پابند بنایا ہے۔

سوال نمبر 4: زہد و تقویٰ، قناعت اور تکبر و ریا کی ممانعت

سوال نمبر 4: دینی نصوص کی روشنی میں زہد و تقویٰ، قناعت اور تکبر و ریاکاری کی ممانعت کے احکام تحریر کریں۔ (20)

تعارف

اسلامی اخلاقی تعلیمات کا ایک بڑا حصہ دل کی کیفیات کی اصلاح سے متعلق ہے، کیونکہ ظاہری اعمال کی قدر و قیمت نیت اور باطن کی درستی پر منحصر ہوتی ہے۔ زہد، تقویٰ اور قناعت وہ مثبت صفات ہیں جو دل کو دنیا کی غلامی سے آزاد کرتی ہیں، جب کہ تکبر اور ریا وہ باطنی بیماریاں ہیں جو نیک اعمال کو بھی برباد کر دیتی ہیں۔ قرآن و حدیث میں ان موضوعات پر وسیع احکام آئے ہیں اور اس کورس کے متن میں بھی یہ مباحث اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ اس جواب میں پہلے زہد کی حقیقت، پھر تقویٰ کا مفہوم و ثمرات، پھر قناعت کی فضیلت اور آخر میں تکبر و ریا کی ممانعت کو نصوص کی روشنی میں بیان کیا جائے گا۔ یہ تمام بحث اخلاقی تربیت کے لیے ہے اور اس کا مقصد اپنے محاسبے کی دعوت ہے، کسی دوسرے شخص پر فتویٰ لگانا ہرگز نہیں۔

زہد: حقیقت اور حدود

زہد سے مراد دنیا کی محبت اور اس کے پیچھے اندھا دھند دوڑ سے دل کا آزاد ہونا ہے، نہ کہ حلال نعمتوں کو چھوڑ دینا یا کسبِ معاش سے کنارہ کش ہو جانا۔ اس فرق کو سمجھنا ضروری ہے کیونکہ اسلام نے رہبانیت کو رد کیا ہے اور نبی کریم ﷺ کی سیرت اس کی عملی دلیل ہے: آپ ﷺ کھاتے پیتے، نکاح کرتے، معاشرتی ذمہ داریاں نبھاتے مگر دل دنیا سے وابستہ نہ رکھتے تھے۔ حدیث میں مفہوم آیا ہے کہ دنیا میں اس طرح رہو گویا تم اجنبی ہو یا راہ چلتے مسافر؛ اور ایک روایت میں زہد کی حقیقت یہ بتائی گئی ہے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے اس پر تمہارا اعتماد اس سے زیادہ ہو جو تمہارے اپنے ہاتھ میں ہے۔ زہد کے عملی آثار یہ ہیں: ضرورت سے زیادہ جمع کرنے کی حرص ختم ہو، حلال و حرام کی پروا بڑھے، مال ملنے پر شکر اور نہ ملنے پر صبر ہو، اور دل کا سکون چیزوں کے بجائے اللہ سے جڑ جائے۔ صحابہ کرام میں ایسے حضرات بھی تھے جو مال دار تھے مگر زاہد شمار ہوتے تھے، کیونکہ ان کا مال ان کے ہاتھ میں تھا دل میں نہیں؛ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زہد کا تعلق دولت کی مقدار سے نہیں دل کی کیفیت سے ہے۔

تقویٰ: مفہوم، مقامات اور ثمرات

تقویٰ کے معنی اللہ کے عذاب سے بچنے کے لیے اس کی نافرمانی سے پرہیز اور اس کے احکام کی پابندی اختیار کرنا ہے۔ قرآن میں تقویٰ کو بہترین زادِ راہ قرار دیا گیا ہے (سورۃ البقرہ 2:197 کا حوالہ)، اللہ کے نزدیک عزت کا معیار بھی تقویٰ ہی کو ٹھہرایا گیا ہے (سورۃ الحجرات 49:13 کا حوالہ) اور متقیوں کے لیے مشکلات سے نکلنے کے راستے، بے حساب رزق اور گناہوں کی معافی کی بشارتیں آئی ہیں (سورۃ الطلاق 65:2-5 کا حوالہ)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سوال پر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے تقویٰ کی مشہور مثال دی کہ کانٹوں والے راستے سے دامن سمیٹ کر احتیاط سے گزرنا تقویٰ ہے؛ یعنی گناہوں کے ماحول میں اسی احتیاط سے زندگی گزارنا۔ تقویٰ کے مقامات دل، زبان اور اعضاء تینوں ہیں: دل میں اللہ کی عظمت و خشیت، زبان میں جھوٹ و غیبت سے پرہیز اور عمل میں فرائض کی پابندی و حقوق کی ادائیگی۔ علماء نے تقویٰ کو تمام نیکیوں کی جڑ قرار دیا ہے کیونکہ جس دل میں اللہ کا خوف زندہ ہو وہ تنہائی میں بھی گناہ سے رکتا ہے، جب کہ محض ظاہری پابندی تنہائی میں ختم ہو جاتی ہے۔

قناعت: مفہوم اور فضائل

قناعت کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کی تقسیم پر راضی رہے، اپنے سے نیچے والوں کو دیکھ کر شکر کرے اور حرص و لالچ سے بچتے ہوئے حلال کوشش جاری رکھے۔ احادیث میں قناعت کو ایسا خزانہ کہا گیا ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا، اس مفہوم کی روایات کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔ ایک اور روایت کا مفہوم ہے کہ اصل غنا مال کی کثرت نہیں بلکہ نفس کی غنا یعنی دل کی بے نیازی ہے؛ اور کامیاب وہ قرار دیا گیا جو اسلام کی ہدایت پائے، اسے گزارے بھر کا رزق ملے اور اللہ اسے اس پر قانع کر دے۔ نبی کریم ﷺ کی عملی زندگی قناعت کا کامل نمونہ تھی: کبھی مہینوں گھر میں آگ نہ جلتی اور کھجور و پانی پر گزارا ہوتا، اور آپ ﷺ کی دعاؤں میں آلِ محمد کے لیے بقدرِ کفایت رزق کی طلب شامل تھی۔ قناعت کا مطلب سستی و کاہلی نہیں؛ حلال رزق کے لیے کوشش عبادت ہے، قناعت کا تعلق نتیجے پر رضا اور غیر ضروری مقابلہ بازی سے بچنے سے ہے۔ قناعت کے ثمرات میں ذہنی سکون، حسد سے نجات، وقت کی آزادی اور دوسروں کے حقوق پامال کیے بغیر باعزت زندگی گزارنے کی صلاحیت شامل ہیں۔

تکبر کی ممانعت

تکبر کے معنی اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھنا اور حق کو جھٹلانا ہیں۔ صحیح مسلم کی مشہور روایت میں نبی کریم ﷺ نے تکبر کی یہی تعریف بیان فرمائی ہے کہ تکبر حق کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے، اور اسی سیاق میں یہ وعید بھی آئی ہے کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہ ہو گا۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے تکبر کرنے والوں کو ناپسند کرنے کا اعلان کیا ہے (سورۃ النحل 16:23 کا حوالہ) اور حضرت لقمان کی نصیحت میں اکڑ کر چلنے اور رخسار پھلانے سے منع آیا ہے (سورۃ لقمان 31:18 کا حوالہ)۔ تکبر کی جڑوں میں مال، علم، عہدہ، خاندان اور حتیٰ کہ عبادت بھی شامل ہو سکتی ہے؛ یہی وجہ ہے کہ علماء نے تکبر کو دل کی سب سے خطرناک بیماریوں میں گنا ہے۔ اس کا علاج عاجزی، خدمتِ خلق، اپنی حقیقت یعنی مٹی سے پیدائش و فنا کو یاد رکھنا اور اللہ کے سامنے جھکنے کی کثرت ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ اچھا لباس اور پاکیزگی خود پسندی نہیں، جیسا کہ اسی حدیث میں وضاحت آئی ہے کہ اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے؛ ناجائز وہ غرور ہے جو حق کی قبولیت میں رکاوٹ بنے۔

ریاکاری کی ممانعت

ریا سے مراد نیک عمل لوگوں کو دکھانے یا ان سے تعریف و مقام حاصل کرنے کی نیت سے کرنا ہے۔ احادیث میں اسے شرکِ خفی و اصغر سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اس میں عمل کی روح یعنی اخلاص ختم ہو جاتا ہے اور ثواب کی جگہ عمل ضائع ہو جاتا ہے۔ صحیح مسلم کی ایک طویل روایت کا مفہوم ہے کہ قیامت کے دن جن لوگوں کا سب سے پہلے فیصلہ ہو گا ان میں دکھاوے کا عالم، دکھاوے کا سخی اور دکھاوے کا شہید شامل ہوں گے، کیونکہ ان کے اعمال اللہ کے لیے نہیں لوگوں کی واہ واہ کے لیے تھے۔ سورۃ الماعون میں بھی ان نمازیوں کے لیے وعید آئی ہے جو دکھاوا کرتے ہیں (107:4-6 کا حوالہ)، اور سورۃ الکہف کی آخری آیت میں عملِ صالح کے ساتھ شرک سے مکمل اجتناب کی شرط بیان ہوئی ہے (18:110 کا حوالہ)۔ ریا سے بچاؤ کا عملی طریقہ نیت کی بار بار تجدید، نیکی کو چھپانے کی مشق، لوگوں کی تعریف و تنقید کو دل میں یکساں حیثیت دینا اور یہ یاد رکھنا ہے کہ قبولیت صرف اللہ کے ہاں ہے۔ علماء نے اس نکتے کی بھی وضاحت کی ہے کہ اگر عمل خالص اللہ کے لیے شروع کیا جائے اور بعد میں لوگ دیکھ لیں تو وہ ریا نہیں، اور لوگوں کے دیکھنے سے عمل چھوڑ دینا بھی درست نہیں کیونکہ وہ بھی ایک طرح کی ریا ہی ہے؛ میزان یہ ہے کہ عمل کی وجہ اللہ کی رضا ہو۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ زہد دنیا کی غلامی سے دل کی آزادی کا نام ہے، تقویٰ اللہ کے خوف کے ساتھ کانٹوں بھرے راستے سے احتیاط سے گزرنے کا رویہ ہے، اور قناعت اللہ کی تقسیم پر رضا دل کی غنا کا نام ہے؛ یہ تینوں صفات بندے کو سکون و عزت عطا کرتی ہیں۔ اس کے برعکس تکبر حق کو ٹھکرانے اور لوگوں کو حقیر جاننے کی بیماری ہے جس پر سخت وعید آئی ہے، اور ریا اخلاص کو کھا جانے والا شرکِ خفی ہے جو بڑے سے بڑے عمل کو بھی ضائع کر دیتا ہے۔ ان مباحث کا مقصد طالب علم کی اپنی تربیت ہے: وہ اپنے دل کا محاسبہ کرے، نیت کو درست رکھے اور یہ سمجھے کہ اسلامی اخلاق کی اصل بنیاد ظاہر سے پہلے باطن کی اصلاح ہے۔

سوال نمبر 5: توبہ، استغفار، فکرِ آخرت، حوضِ کوثر اور شفاعتِ نبوی

سوال نمبر 5: سنتِ مطہرہ کی روشنی میں توبہ و استغفار، فکرِ آخرت اور حوضِ کوثر و شفاعتِ نبوی کے احکام و مسائل بیان کریں۔ (20)

تعارف

انسان خطا کا پتلا ہے اور اسلام نے اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے توبہ و استغفار کا دروازہ وسیع کھلا رکھا ہے۔ اس کے ساتھ فکرِ آخرت وہ شعور ہے جو زندگی کو مقصد دیتا ہے، اور حوضِ کوثر و شفاعتِ نبوی وہ عقائدی مباحث ہیں جو روزِ قیامت نبی کریم ﷺ کی اپنے امتیوں سے محبت و شفقت کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ یہ موضوعات اس کورس کے آخری یونٹس کا حصہ ہیں اور اہلِ سنت کے معتمد عقائد کی روشنی میں بیان کیے جاتے ہیں۔ اس جواب میں پہلے توبہ کی شرائط و فضائل، پھر استغفار، پھر فکرِ آخرت کے آثار اور آخر میں حوضِ کوثر و شفاعت کے مسائل کو نمٹایا جائے گا۔ عقائدی مسائل میں طالب علم کا شیوہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ اہلِ سنت کے جمہور علماء کی تشریح کو امانت سے نقل کرے اور فرقہ وارانہ مناظرے کے بجائے اصل نصوص کو سمجھنے پر توجہ دے۔

توبہ: مفہوم اور شرائط

توبہ کے معنی اللہ کی طرف رجوع کرنے کے ہیں؛ گناہ کو چھوڑ کر ندامت کے ساتھ اللہ سے معافی مانگنا اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا اس کی حقیقت ہے۔ قرآن مجید میں مومنوں کو اجتماعی طور پر توبہ کی دعوت دی گئی ہے اور اسے فلاح کا ذریعہ بتایا گیا ہے (سورۃ النور 24:31 کا حوالہ)، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تواب یعنی کثرت سے توبہ کرنے والوں کی محبوبیت بھی بیان ہوئی ہے۔ حدیث کا مفہوم ہے کہ وہ ذات جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تمہیں لے جائے اور ایسے لوگ لائے جو گناہ کر کے معافی مانگیں اور اللہ انہیں معاف کرے؛ اس سے توبہ کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے توبہ کی تین شرائط بیان کی ہیں: گناہ کو فوراً چھوڑ دینا، گزشتہ پر ندامت کرنا، اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم رکھنا؛ اور اگر گناہ کسی انسان کے حق سے متعلق ہو تو چوتھی شرط اس حق کی ادائیگی یا اس سے معافی حاصل کرنا ہے۔ توبہ کی قبولیت کا وقت بھی احادیث میں بیان ہوا ہے کہ یہ دروازہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے اور جان کے حلق تک پہنچنے سے پہلے تک کھلا ہے، اس لیے تاخیر کو علماء نے سخت خطرہ قرار دیا ہے۔

استغفار: مفہوم اور برکات

استغفار کے معنی اللہ سے گناہوں کی مغفرت طلب کرنا ہے۔ توبہ اور استغفار میں فرق یہ ہے کہ توبہ رجوع و ترکِ گناہ کا مکمل عمل ہے جب کہ استغفار زبان و دل سے معافی کی درخواست ہے جو توبہ کا حصہ بھی ہے اور ایک مستقل ذکر بھی۔ نبی کریم ﷺ کے بارے میں احادیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ دن میں ستر سے سو مرتبہ تک استغفار فرمایا کرتے تھے، حالانکہ آپ معصوم تھے؛ یہ امت کے لیے تعلیم ہے کہ استغفار معمولِ زندگی ہو۔ سید الاستغفار کی مشہور دعا صحیح بخاری میں مذکور ہے جسے صبح و شام یقین کے ساتھ پڑھنے کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ قرآن میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کے حوالے سے استغفار کی دنیاوی و اخروی برکات بیان ہوئی ہیں: بارش، مال و اولاد میں اضافہ اور باغات و نہروں کی نعمتیں (سورۃ نوح 71:10-12 کا حوالہ)۔ حدیث کا مفہوم ہے کہ جو شخص استغفار کو لازم پکڑتا ہے اللہ اس کے لیے ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ، ہر غم سے کشادگی اور ایسی جگہ سے رزق عطا کرتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو۔ ان نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ استغفار صرف اخروی نجات کا ذریعہ نہیں بلکہ دنیاوی زندگی میں سکون و برکت کا سبب بھی ہے۔

فکرِ آخرت اور اس کے تربیتی آثار

فکرِ آخرت سے مراد موت، قبر، حشر اور اللہ کے سامنے حاضری کے شعور کو زندہ رکھنا ہے۔ احادیث میں لذتوں کو ختم کرنے والی موت کو کثرت سے یاد کرنے کی ترغیب آئی ہے اور قبروں کی زیارت کو بھی اسی لیے مشروع قرار دیا گیا کہ وہ آخرت کی یاد دلاتی ہے۔ قرآن نے دنیا کی زندگی کو کھیل و تماشے سے تشبیہ دے کر آخرت کے گھر کو اصل قرار دیا ہے (سورۃ العنکبوت 29:64 کا حوالہ) اور نیکیوں میں سبقت کی دعوت بھی اسی شعور سے جڑی ہے۔ فکرِ آخرت کے عملی آثار یہ ہیں: گناہ سے بچنے کی قوت بڑھتی ہے کیونکہ ہر عمل کے جواب دہی کا احساس موجود ہوتا ہے؛ دنیاوی نقصان پر صبر آسان ہو جاتا ہے کیونکہ اجر کا اصل محفوظ مقام آخرت معلوم ہوتا ہے؛ حقوق العباد کی ادائیگی کی فکر پیدا ہوتی ہے؛ اور عبادت میں یکسوئی و خشوع بڑھتا ہے۔ اس کے برعکس آخرت سے غفلت حرص، ظلم اور اخلاقی زوال کی جڑ ہے۔ علماء نے اس توازن کی بھی نشاندہی کی ہے کہ فکرِ آخرت کا مطلب دنیا ترک کرنا نہیں، بلکہ دنیا کو آخرت کی کھیتی سمجھ کر استعمال کرنا ہے، جیسا کہ مشہور حکمت بھرے تعلیم میں دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیا گیا ہے۔

حوضِ کوثر: تعارف اور اوصاف

کوثر وہ عظیم نعمت ہے جس کے عطا ہونے کا ذکر سورۃ الکوثر میں آیا ہے اور مفسرین و محدثین کی اکثریت کے نزدیک اس میں وہ حوض بھی شامل ہے جو قیامت کے دن نبی کریم ﷺ کو عطا ہو گا۔ احادیث میں حوض کے اوصاف تفصیل سے آئے ہیں: اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا بیان ہوا ہے، اس کے برتن آسمان کے ستاروں کی طرح بے شمار ہیں، اور جو اس سے ایک بار پی لے گا وہ کبھی پیاسا نہیں ہو گا؛ یہ اوصاف صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایات میں موجود ہیں۔ حوض کا محلِ وقوع میدانِ حشر ہے اور پلِ صراط سے پہلے اس پر حاضری ہو گی۔ احادیث میں یہ وعید بھی آئی ہے کہ کچھ لوگ حوض سے اس لیے ہٹائے جائیں گے کہ انہوں نے دین میں تبدیلیاں کر دی تھیں، جس سے سنت پر استقامت کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ حوضِ کوثر کا عقیدہ اہلِ سنت کے متفقہ عقائد میں شامل ہے اور یہ نبی کریم ﷺ کی امت سے خصوصی محبت و شفقت اور اللہ کی طرف سے آپ کے اعزاز کی عظیم نشانی ہے۔

شفاعتِ نبوی: اقسام اور شرائط

شفاعت کے معنی قیامت کے دن اللہ کی اجازت سے کسی کے حق میں سفارش کرنا ہے۔ اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو شفاعتِ کبریٰ کا وہ عظیم مقام حاصل ہو گا جسے مقامِ محمود کہا گیا ہے (سورۃ بنی اسرائیل 17:79 کا حوالہ)؛ طویل حدیثِ شفاعت، جو صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے، اس کی تفصیل بیان کرتی ہے کہ تمام انبیاء کے بعد امت آپ ﷺ کے پاس آئے گی اور آپ کی سفارش سے حساب کا آغاز ہو گا۔ شفاعت کی دیگر صورتیں بھی احادیث سے ثابت ہیں: گنہگار مومنوں کو عذاب سے نکالنے کی شفاعت، درجات کی بلندی کی شفاعت اور بعض کو بغیر عذاب کے جنت میں داخلے کی شفاعت۔ شفاعت کی بنیادی شرائط دو ہیں: اللہ کی اجازت اور اللہ کی رضا؛ قرآن نے واضح کیا ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کر سکتا (سورۃ البقرہ 2:255 کا حوالہ) اور سفارش بھی اسی کے لیے ہو گی جس کے لیے اللہ راضی ہو۔ اسی لیے شفاعت کا عقیدہ سستی و گناہ پر جری ہونے کی دعوت نہیں، بلکہ توحید و اتباعِ سنت کے ساتھ جڑا ہوا ہے؛ جو شخص شفاعت کا امیدوار ہے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ ایمان و عمل کی حفاظت کرے۔ انبیاء، ملائکہ، شہداء اور صالحین کی شفاعت بھی احادیث سے ثابت ہے مگر سب سے بڑی شفاعت نبی کریم ﷺ ہی کی ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ توبہ گناہ چھوڑنے، ندامت اور پختہ عزم کا نام ہے اور اس کی چوتھی شرط حقوق العباد کی ادائیگی ہے؛ استغفار مومن کا روزمرہ معمول ہے جس کی دنیاوی و اخروی برکات قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہیں؛ فکرِ آخرت زندگی کو مقصد و جواب دہی کا شعور دیتی ہے؛ حوضِ کوثر روزِ قیامت نبی کریم ﷺ کا عظیم اعزاز ہے جس کے اوصاف صحیح احادیث میں وارد ہیں؛ اور شفاعتِ نبوی اللہ کی اجازت و رضا سے مشروط وہ عظیم سفارش ہے جس کا سب سے بڑا درجہ مقامِ محمود ہے۔ یہ مباحث بتاتے ہیں کہ اسلامی عقیدے میں اللہ کی رحمت کا دروازہ وسیع ہے مگر وہ ایمان، توبہ اور اتباع کے راستے سے کھلتا ہے۔ طالب علم ان عقائد کو اہلِ سنت کی مستند کتب سے مزید مطالعہ کرے اور اختلافی جزئیات میں مناظرانہ رویے سے اجتناب کرے۔